تحقیق و تنقید

ایڈیٹر ہفت روزہ "الاعتصام"
حافظ صلاح الدین یوسف

کیا عورتوں کا طریقۂ نماز مردوں سے مختلف ہے؟

ایک حنفی مفتی صاحب کے دلائل کا جائزہ

۲۲ جنوری ۱۹۸۲ء کے ہفت روزہ الاعتصام میں ایک مضمون بعنوان "کیا عورتوں کا طریقۂ نماز مردوں سے مختلف ہے" شائع ہوا جسے ہم ادارہ "الاعتصام" کے شکریئے کے ساتھ من وعن ماہنامہ ترجمان الحدیث کے ادارتی صفحات میں شائع کر رہے ہیں۔ دراصل اس مضمون میں کراچی کے ایک حنفی مفتی و شیخ الحدیث مولانا سبحان محمود صاحب کا مذکورہ بالا عنوان پر دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے جس میں مرد عورت کا طریقۂ نماز علیحدہ علیحدہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر) "تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو"۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم کا یہ عام حکم ہے جس میں ہر مسلمان مرد و عورت شامل ہے اس لحاظ سے جو طریقۂ نماز مردوں کا ہے وہی عورتوں کا ہے بجز ان چیزوں کے جن کی صراحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے مثلاً عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اوڑھنی کے بغیر نماز نہ پڑھیں نیز ان کے پیر بھی (ظہور قدمین) پوری طرح ڈھکے ہونے چاہئیں وغیرہ وغیرہ۔ باقی عورتیں ہاتھ کہاں باندھیں اور کہاں تک اٹھائیں، قعدہ و قیام ان کا کس طرح ہو؟ سجدہ کیسے کریں؟ ان کے بارے میں جو حکم مردوں کیلئے صحیح احادیث سے ثابت ہے وہی حکم عورتوں کے لئے ہے۔ ان چیزوں میں اس وقت تک مرد و عورت کے فرق کرنے کی کوئی معقول وجہ اور بنیاد نہیں ہے۔ جب تک صحیح احادیث سے ثابت نہ کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں جو فتویٰ مفتی مذکور کا شائع ہوا ہے ذیل میں اس کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے واضح ہو جائے گا کہ برادرانِ احناف کے پاس اپنے مسلک کے اثبات میں کوئی مضبوط دلیل (حدیث صحیح) نہیں ہے۔

تمہید میں ہی "دلائل" کی کمزوری کا اعتراف

سب سے پہلے مفتی صاحب نے "دلائل" ذکر کرنے سے پہلے بطور تمہید یہ ارشاد فرمایا کہ:

"فقہاء حضرات جو بھی مسئلہ بیان کرتے ہیں اس کی اصل قرآنِ کریم اور حدیث سے ہوتی ہے۔ البتہ یہ معلوم کرنا کہ قرآن و حدیث میں اس کی اصل کہاں ہے؟ یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لئے مجتہدانہ صلاحیت کی ضرورت ہے۔ اس لئے عام لوگوں کے لئے یہی حکم ہے۔ کہ وہ اپنے مسلک کے فقہاء اور ائمہ کے بیان کئے ہوئے مسائل پر عمل کریں۔ اسی میں ان کے لئے عافیت ہے۔ کیونکہ عوام خود قرآن و حدیث کو صحیح طریقے سے سمجھ کر مسائل معلوم نہیں کر سکتے۔ البتہ مجتہدین اور فقہاء حضرات اس کی اصل کو تلاش کرتے ہیں اور اصل کے بغیر کچھ نہیں کہتے۔" (روزنامہ "جسارت" کراچی ۳۰/ اکتوبر ۱۹۸۱ء)

قبل اس کے کہ مفتی صاحب کی ان تمہیدی گزارشات پر کچھ عرض کیا جائے اس عورت کا سوال بھی پڑھ لیا جائے جس کے جواب میں مفتی صاحب نے یہ کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ سوال یہ تھا:

"مولانا اشرف علی تھانوی اور بعض دیگر علمائے دین نے یہ فرمایا ہے کہ مرد نیت باندھتے وقت کان کی لَو تک انگوٹھے لے جائے اور عورت صرف کندھے تک۔ مرد زیر ناف ہاتھ باندھیں اور عورتیں سینے پر۔ رکوع میں مرد انگلیاں یوں رکھیں اور خواتین اس طرح۔ مرد کمر کو اٹھا کر سجدہ کریں اور عورتیں بالکل دب کر اور زمین سے چپک کر سجدہ کریں۔ میں نے یہی مسئلہ معلوم کرنے کے لئے حدیث بخاری اور مشکوٰۃ شریف میں باب الصلوٰۃ کا خاص طور پر مطالعہ کیا۔ مجھے تو ان میں کوئی حدیث اس بارے میں نہیں ملی۔ سنا ہے کہ "دُرِّ منثور" میں ایک حدیث اس بارے میں وارد ہے۔ آج کل یہاں عورتوں میں یہ بحث چل رہی ہے اگر واقعی مرد صاحبان اور خواتین کی نماز کی ہیئت میں اتنا بڑا فرق ہوتا تو حضرت عائشہؓ جنہوں نے دو ہزار سے زائد حدیثیں بیان فرمائی ہیں (جن میں خواتین کے متعلق حدیثیں خاص ہیں) تو آنجنابہؓ اس بارے میں ضرور واضح طور پر حدیثیں بیان

فرمائیں، ممکن ہے کہ آپ نے بیان فرمائی ہوں جو میری نظر سے نہ گذری ہوں"

(بیگم عبدالغنی، کراچی)

۱۔ محترمہ کے جواب میں مفتی صاحب کو چاہیئے تھا کہ وہ ایسی احادیث نقل کر دیتے جن میں عورتوں کو نماز کی بابت مردوں سے مختلف حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ بات بالکل واضح ہو جاتی۔ لیکن مفتی صاحب موصوف نے "دلائل" ذکر کرنے سے پہلے تو یہ "وعظ" فرمایا کہ عوام قرآن و حدیث کے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، اس لئے ان کو چاہیے کہ ان کے علماء جو کچھ بتلائیں آنکھیں بند کر کے ان پر عمل کرتے رہیں۔

حالانکہ عوام کی بابت مطلقاً یہ فیصلہ بالکل غلط ہے بلاشبہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لئے مطلوبہ کسی قابلیت و علم کی ضرورت ہے۔ لیکن عوام کو یہ نشاندہی تو کرائی جا سکتی ہے کہ فلاں مسئلہ کی بابت قرآن کی فلاں آیت یا فلاں حدیث رسول ہے عوام اتنے غبی اور کودن نہیں ہیں کہ وہ حدیث کا ترجمہ بھی پڑھ کر اس کا مطلب نہ سمجھ سکیں۔ یا علماء کے سمجھانے سے بھی ان کے پلے کچھ نہ پڑے۔

۲۔ یہ کہنا کہ "عام لوگوں کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ اپنے مسلک کے فقہاء اور امام کے بیان کئے ہوئے مسائل پر عمل کریں"۔ اس کی بابت مفتی صاحب سے پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ حکم کس نے دیا ہے؟ قرآن حکیم نے تو بار بار اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اطاعت ہی کا حکم فرمایا ہے۔ اطاعت فقہا و ائمہ کا حکم تو کہیں بھی نہیں دیا ہے۔ مسلمان عوام اگر پابند ہیں تو صرف قرآن و حدیث کے ہیں نہ کہ اقوال و آرائے رجال کے۔ عوام علماء کی طرف رجوع بھی اسی نقطۂ نظر سے کرتے ہیں کہ وہ انہیں قرآن و حدیث سے مسئلہ بتائیں۔ ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا کہ مفتی کسی فقیہ یا امام کے قول کا حوالہ دے کہ مسئلہ ثابت کرے۔ ایسے مسلمان عوام کو قرآن و حدیث سے بالکل غافل اور بے خبر رکھنا بلکہ قرآن و سنت کے خلاف مسائل پر عمل کرنے کا ان کو حکم دینا، کیا دیانت و انصاف پر مبنی ہے؟

۳۔ تیسری بات مفتی صاحب نے یہ بیان فرمائی ہے کہ فقہاء حضرات جو کچھ کہتے ہیں۔ ان کی اصل قرآن یا حدیث سے ہی ہوتی ہے۔ اور اصل کے بغیر کچھ نہیں کہتے۔

سوال یہ ہے کہ اس مقام پر اس "صراحت" کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے؟ اگر ان کا یہ دعویٰ ہے کہ فقہاء کی کوئی بات قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہے تو اس امر کی وضاحت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اصل دلائل پیش کرنے سے پہلے فقہا کی بابت اس امر کی صراحت ہی اس بات کی نشاندہی کر دیتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ محترمہ سائلہ نے جو سوال مفتی صاحب سے کیا ہے اس کا کوئی جواب مفتی صاحب کے پاس

نہیں کسی بھی حدیثِ صحیح میں عورتوں کو مردوں سے مختلف رکوع، سجود، وضع و رفع یدین کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اسی لئے محترم مفتی صاحب مذکورہ تمہیدی ارشادات پر مجبور بھی ہوئے۔ بمصداق ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

اس کے بعد مفتی صاحب لکھتے ہیں :

"چنانچہ فقہاء حضرات نماز میں عورتوں کی ہیئت کے بارے میں جو مخصوص صورتیں بیان کرتے ہیں۔ وہ سب احادیث سے ثابت ہیں"۔

لیکن ہم عرض کریں گے کہ مفتی صاحب کا یہ دعویٰ یکسر بے بنیاد ہے کہ وہ ایک حدیث صحیح بھی اس کی بابت پیش نہیں کر سکے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا۔

شریعت سازی ؟

پھر لکھتے ہیں :۔

اس سے قبل کہ ہم وہ حدیثیں ذکر کریں یہ بات سمجھ لی جائے کہ عورتوں کے بارے میں شریعت کا منشاء یہ ہے کہ وہ حتی الامکان ستر اور پردے سے رہیں خواہ گھر میں رہیں یا کمرے میں تنہا ہو یا دوسروں کے سامنے حتیٰ کہ نماز جو اہم ترین عبادت ہے اس میں بھی اس کا لحاظ کیا گیا ہے۔ اس طرح نماز کی بعض صورتوں میں جو مخصوص ہیئتیں بیان کی گئی ہیں۔ اس کی علت بھی علماء نے ستر اور پردہ ہی بتائی ہے"۔

بلاشبہ عورتوں کے پردے اور ستر کی بابت شریعت کا جو منشا مفتی صاحب نے تبلایا ہے۔ اس سے مجال انکار نہیں لیکن اس سے مقصود اگر نماز کے خود ساختہ طریقے کا جواز مہیا کرنا ہے تو یہ محلِ نظر ہے۔ شریعت نے جو طریقۂ نماز تبلایا ہے (جس میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے) اس طریقے سے خواتین بے پردہ اور بے ستر نہیں ہوتیں۔ اگر ایسا ہوتا تو شریعت از خود عورتوں کو مردوں سے مختلف طریقۂ نماز کا حکم دے دیتی، جیسا کہ بعض احکام عورتوں کے لئے الگ ہیں۔ ان کے علاوہ اگر کوئی مختلف طریقۂ نماز عورتوں کے لئے یہ کہہ کر ایجاد کریں گے کہ اس میں پردہ اور ستر کا زیادہ اہتمام ہے تو یہ بہت بڑی جسارت ہے۔ اور لا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ کے صریح خلاف ہے اس کے معنی تو یہ ہوں گے۔

کہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کو تو یہ معلوم نہ ہوا کہ عورتوں کے لئے فلاں طریقہ سجدہ یا رکوع زیادہ اَستر ہے اور اس سے شریعتِ اسلامیہ کا منشا زیادہ صحیح طریقے سے پورا ہوتا ہے تاہم بعد کے فقہاء کو یہ نکتہ سُوجھ گیا اور انھوں نے اس "خلا" کو پُر کر کے شریعت کے منشا کی تکمیل کر دی ہے" نعوذ باللہ، ثم نعوذ باللہ کیا مفتی صاحب کی بیان کردہ علت سے یہی کچھ واضح نہیں ہوتا ؟

مفتی صاحب کی بیان کردہ احادیث کا جائزہ

اب مفتی صاحب کی نقل کردہ احادیث کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے ۔ وباللہ التوفیق

نیت باندھتے وقت ہاتھ اٹھانے میں فرق ؟

مفتی صاحب لکھتے ہیں :-

" اب اس سلسلے میں احادیث ذکر کی جاتی ہیں کہ عورتیں ہاتھ کہاں تک اٹھائیں معجم طبرانی میں وائل بن حجرؓ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ صلعم نے فرمایا کہ ابن حجر جب تو نماز پڑھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے برابر کرے اور عورت اپنے ہاتھوں کو اپنے سینے کے برابر کرلے ۔ اور امام بخاریؒ نے ایک مستقل رسالے میں جو رفع الیدین کے متعلق ہے نقل کیا ہے کہ عبدربہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ام الدرداءؓ (جو مشہور صحابیہ ہیں) کو نماز میں کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے دیکھا ہے ۔ دونوں حدیثوں پر عمل اس طرح ہوگا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے میں ہاتھ کا کچھ حصہ سینے کے برابر بھی ہو جاتا ہے "

یہ ہیں مفتی صاحب کے دلائل اس بارے میں کہ نیت باندھتے وقت عورتیں ہاتھ کہاں تک اٹھائیں ۔ حضرت وائلؓ بن حجر کی روایت سے موصوف نے ثابت کیا ہے کہ مرد اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور عورت سینے تک لیکن حضرت ! واضح رہے کہ حضرت وائلؓ کی یہ روایت حسب تصریح محدثین ضعیف ہے ۔ جیسا کہ مجمع الزوائد میں بحوالہ طبرانی یہ روایت مع سند موجود ہے اور وہاں حافظ ہیثمیؒ نے صراحت کی ہے کہ اس میں ام یحییٰ بنت عبدالجبار ایک راویہ ہے جو مجہول ہے (لم اعرفها) (مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۰۳)

مفتی صاحب کا اصل مدار استدلال اسی روایت پر ہے جو استدلال و حجت کے قابل ہی نہیں۔ امام بخاریؒ کے رسالہ جزء رفع الیدین سے عبد ربہ کی جو روایت نقل کی ہے، اس سے مرد و عورت کے درمیان فرق کا وہ پہلو نکلتا ہی نہیں جو مفتی صاحب اس سے کشید فرما رہے ہیں۔ اس لئے اس پر استدلال کی جو عمارت کھڑی کی گئی ہے وہ بے بنیاد ہے بہرحال مرد و عورت کے درمیان، رفع الیدین میں فرق کی بابت احناف کے پاس کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے جیسا ابن حجرؒ اور قاضی شوکانی نے بھی لکھا ہے جن کی نظر احادیث پر بڑی گہری اور وسیع ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"لم یرد ما یدل علی التفرقۃ فی الرفع بین الرجل و المرأۃ وعن الحنفیۃ یرفع الرجل الی الاذنین والمرأۃ الی المنکبین لانہ استرلھا"

(فتح الباری، کتاب الاذان باب ۸۵، ص ۲۲۲، ج ۲، طبع جدید)

یعنی "حنفیہ جو یہ کہتے ہیں کہ مرد ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور عورت کندھوں تک۔ مرد و عورت کے درمیان فرق کرنے کا یہ حکم کسی حدیث میں وارد نہیں"

اور امام شوکانیؒ لکھتے ہیں:

واعلم ان ھذہ السنۃ تشترک فیھا الرجال و النساء ولم یرد ما یدل علی الفرق بین الرجل والمرأۃ فی مقدار الرفع وروی عن الحنفیۃ ان الرجل یرفع الی الاذنین والمرأۃ الی المنکبین لانہ استر لھا ولا دلیل علی ذلک کما عرفت (نیل الاوطار ج ۲، ص ۱۹۸، باب رفع الیدین وبیان صفتہ ومواضعہ)

یعنی یہ رفع الیدین ایسی سنت ہے جو مرد و عورت دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ (یعنی دونوں کے لئے یکساں ہے) اس کی بابت دونوں کے درمیان فرق کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اسی طرح مقدارِ رفع میں بھی فرق کرنے کی کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے کہ مرد ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور [illegible]

ہاتھ باندھنے میں فرق اس کے بعد مفتی صاحب فرماتے ہیں۔

"ہاتھ باندھنے میں بھی حضور صلعم سے دونوں طریقے ثابت ہیں۔ مردوں کے ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے اور عورتوں کے سینے پر ہاتھ باندھنے سے دونوں قسم کی روایات پر عمل ہو جاتا ہے۔"

یہاں پر مفتی صاحب نے دو روائیتیں نقل فرمائی ہیں ایک حضرت علیؓ کی، جس میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کا بیان ہے اور دوسری حضرت وائلؓ بن حُجر کی، جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، میں نے آپؐ کو دیکھا کہ آپؐ نے سینے پر ہاتھ باندھے مفتی صاحب نے ان دونوں روایات میں یہ تطبیق دی ہے کہ تحت السُّرّۃ (زیر ناف) والی روایات پر مرد عمل کریں اور علی الصدر (سینے پر ہاتھ باندھنے) والی روایت پر عورتیں عمل کریں۔ حالاں کہ جمع و تطبیق کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ دونوں روایات (جو بظاہر متعارض ہوں) سنداً صحیح ہوں۔ اگر دو متعارض روایات ایسی ہوں کہ سنداً ایک صحیح ہو اور دوسری ضعیف تو محدثین کے اصول کے مطابق عمل صحیح السند روایت پر ہوگا۔ ضعیف روایت کو صحیح روایت کے مقابلے میں ترک کر دیا جائے گا۔ اس لئے مفتی صاحب کا پہلا فرض یہ تھا کہ ہاتھ باندھنے والی دونوں قسم کی روایتوں کے متعلق یہ ثابت کرتے کہ سنداً دونوں صحیح اور یکساں حیثیت کی حامل ہیں۔ لہٰذا تطبیق کے بغیر چارہ نہیں۔ اس کے بعد موصوف کی مذکورہ تطبیق قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔

بنابریں تطبیق سے پہلے دونوں روایتوں کی سندی حیثیت دیکھنے کی ضرورت ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت سنن ابو داؤد کے اس نسخے میں نہیں ہے جو پاک و ہند میں متداول ہے۔ تاہم ابو داؤد کے ایک نسخے (ابن الاعرابی) میں یہ روایت موجود ہے لیکن وہاں امام ابو داؤد نے اس کے ضعف کی بھی صراحت کر دی ہے (ملاحظہ ہو عون المعبود ج ص ۲۷۵) یہ بھی مفتی صاحب کی علمی دیانت کا ایک شاہکار ہے کہ روایت کے لئے تو ابو داؤد کا حوالہ دیا ہے لیکن روایت کے ساتھ ہی اس کے ضعف کی جو صراحت اس میں ہے، اسے گول کر گئے۔ اس کے برعکس حضرت وائلؓ بن حجر کی روایت صحیح ابن خزیمہ میں ہے امام بلوغ المرام میں حافظ ابن حجرؒ نے اسے نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے، فتح الباری میں بھی اسے صحیح بتلایا ہے۔ نیز دیگر محدثین نے بھی اس کی تصحیح و توثیق کی ہے۔ حتیٰ کہ کئی حنفی علماء نے بھی حدیث علیؓ کی تضعیف اور حدیث وائل کی تصحیح و توثیق کی ہے۔

۱　چنانچہ علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں لکھتے ہیں۔

واحتج صاحب الهداية لاصحابنا في ذالك بقوله صلى الله عليه وسلم ان من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السُرّة قلت هذا قول على ابن ابى طالب واسنادهٗ الى النبى صلى الله عليه وسلم غير صحيح .... فيه مقال لان في سنده عبدالرحمن بن اسحٰق الكوفى قال احمد ليس بشئ منكر الحديث (عمدة القارى، ج ۵، ص ۲۷۹، طبع جديد)

"یعنی صاحب ہدایہ نے ہمارے احناف کے مسلک پر حضرت علیؓ کے اس قول سے استدلال کیا ہے جس میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کو سنت کہا گیا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ حضرت علیؓ کے اس قول کی اسناد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح ثابت نہیں ہے اس روایت میں مقال ہے اس لئے کہ اس کی سند میں عبدالرحمان بن اسحاق کوفی ہے جس کے متعلق امام احمدؒ کا قول ہے کہ وہ کچھ نہیں اور وہ منکر الحدیث ہے۔"

۲ اور شیخ ابراہیم حلبی غنیتہ المستملی فی شرح نیتہ المصلی (المعروف شرح کبیری) میں حضرت علیؓ کی زیر بحث روایت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

قال النووى اتفقوا على تضعيف لانه من رواية عبد الرحمن بن اسحٰق الواسطى مجمع على ضعفه (کبیری ص ۲۹۴۔ طبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۸ء)

یعنی "بقول امام نوویؒ اس روایت کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ اس میں عبدالرحمان بن اسحاق واسطی راوی ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے۔"

۳ مولانا محمد حیات سندھیؒ حنفی لکھتے ہیں۔

بما تقدم وتقرر ان الوضع الايدى على الصدور فى الصلوٰة احسن اصيلاً ودليلاً جليلاً فلا ينبغى لاهل الايمان الاستنكاف عنه وكيف يستنكف المسلم عما ثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى قال لا يؤمن احدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به بل ينبغى ان يفعل ذالك (فتح الغفور ص ۸ طبع ملتان)

"بیان متذکرہ بالا سے بخوبی واضح ہوگیا کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی بنیاد (روایت) مضبوط اور دلیل واضح ہے۔ اور ہر اہل ایمان کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اس سے روگردانی کرے اور مسلمان ایسی چیز سے روگردانی کیوں کر کرسکتا ہے جو کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔"

تک ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے مطابق نہ ہو جائے۔ پس ہر مسلمان کو آپؐ کے فرمان پر عمل کرنا چاہیئے۔"

شاہ نعیم اللہ بہرائچی، مرزا مظہر جان جاناں حنفی کے معمولات میں لکھتے ہیں۔

"دست را برابر سینہ می بستند و می فرمودند کہ ایں روایت ارجح است از روایتِ زیر ناف" (ص ۷۵)

یعنی "مرزا مظہر نماز میں سینے پر ہاتھ باندھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایت سے زیادہ راجح ہے۔"

خود حنفی علماء کی تصریحات سے جب یہ ثابت ہوتا ہے کہ تحت السرّۃ والی روایت ضعیف اور سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت صحیح اور راجح ہے تو اس کے بعد مفتی صاحب کی تطبیقِ مذکور کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

بہرحال اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مرد و عورت کے درمیان نماز میں ہاتھ باندھنے کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صحیح روایات کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز [illegible] ہاتھ سینے پر باندھے ہیں اور اس کی بابت عورتوں کے لئے کوئی الگ حکم بھی ثابت نہیں ہے اس لئے مرد و عورت دونوں کے لئے مسنون طریقہ یہی ہے کہ وہ سینے پر ہاتھ باندھیں۔

نماز میں عورتوں کے سجدے کی ہیئت؟ نماز میں عورتوں کے سجدے کی ہیئت کے بارے میں مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

"اسی طرح جب عورتیں سجدہ کریں تو ستر کو باقی رکھتے ہوئے خوب اچھی طرح سکڑ کر کریں۔"

اس کی دلیل میں دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ ان میں ایک مراسیلِ ابو داؤد میں ہے اور دوسری سنن بیہقی میں۔

"حضور صلعم نے دو عورتوں کو نماز پڑھتے دیکھا۔ تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو جسم کو زمین سے ملاؤ (۲) واخرج البیھقی اذا سجدت المرأۃ الصقت بطنھا بفخذھا کاستر ما یکون لھا،

اوّل الذکر حدیث مرسل ہے جو محدثین اور راجح مذہب کے مطابق قابلِ حجت نہیں۔

دوسری روایت سنن بیہقی میں ہے جس کا ترجمہ مفتی صاحب نے نقل نہیں کیا ہے صرف عربی

عبارت نقل کی ہے تاہم اس کا مفہوم بھی وہی ہے یہ روایت بھی بلاشبہ سنن بیہقی (ج ۲ ص ۲۲۳) میں موجود ہے ۔ لیکن مفتی صاحب کی اس جسارت اور "دیانت علمی" پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے کہ امام بیہقی نے تو یہ روایت یہ متنبہ کرنے کے لئے درج کی ہے کہ یہ روایت ایسی ضعیف ہے کہ ان جیسی روایتوں سے استدلال نہیں کیا جا سکتا لیکن مفتی صاحب موصوف نے اسے بطور استدلال پیش کیا ہے ۔

ع ناطقہ سر بگریبان ہے اسے کیا کہیئے ؟

اور یہ فخذہ والی حدیث | مفتی صاحب لکھتے ہیں ۔

"اسی طرح فخذہ کے سلسلے میں بیہقی کی روایت ہے کہ ایک ران پر دوسری ران رکھ کر بیٹھے ۔ عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلست المرأۃ فی الصلوۃ وضعت فخذھا علی فخذھا "

لیکن آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ بھی اسی حدیث مذکورہ کا ایک ٹکڑا ہے جسے امام بیہقی نے صرف لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے اپنی کتاب میں درج کیا ہے کہ یہ روایت کسی کام کی نہیں ہے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے از خود سنن بیہقی کا مطالعہ نہیں کیا اور اپنے کسی ہم مذہب پیشرو کا کوئی فتویٰ یا مضمون دیکھ کر مکھی پر مکھی دے ماری ہے ورنہ اتنی صریح خیانت کا تصور ایک اتنے بڑے دار العلوم کے شیخ الحدیث اور مفتی کے متعلق نہیں کیا جا سکتا ۔

بہرحال مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد مفتی صاحب فرماتے ہیں ۔

" ان احادیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ عورتوں کی نماز کے بارے میں فقہا نے جو مخصوص صورتیں بیان فرمائی ہیں وہ احادیث سے ثابت ہیں "

لیکن موصوف کی بیان کردہ "احادیث" کی حقیقت اوپر بیان کر دی گئی ہے جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ فقہائے احناف نے عورتوں کے لئے مردوں سے الگ جو صورتیں بیان کی ہیں وہ ان کی اپنی ایجاد کردہ ہیں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا ۔

کچھ اور دلائل اور وضاحتیں | اس کے بعد مفتی صاحب فرماتے ہیں ۔

"یہ بات واضح رہے کہ عورتوں کے بارے میں حکم شرعی کے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضہ کی حدیث سے ثابت ہو بلکہ کسی اور صحابی سے بھی

حدیث ثابت ہو لیکن ہمیں نہ مل سکی ہو۔"

بلاشبہ حکم شرعی کے اثبات کے لئے حضرت عائشہؓ ہی کی حدیث ضروری نہیں بلکہ کسی بھی صحابیٔ رسولؐ کی حدیث (صحیح) سے حکم شرعی ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن سائلہ کا یہ سوال بہرحال ضرور قابلِ غور ہے کہ حضرت عائشہ سے دو ہزار سے زائد احادیث مروی ہیں اگر عورتوں کے لئے نماز کا طریقہ مردوں سے مختلف ہوتا تو یقیناً ان سے اس انداز کی کوئی حدیث ضرور ثابت ہوتی۔ اسی طرح یہ بھی قابلِ غور پہلو ہے کہ اتنا اہم اور عام الورود مسئلہ لیکن حضرت عائشہؓ سمیت کسی بھی صحابی سے اس کی بابت کوئی حدیث ثابت نہیں۔ یہ کہنا کہ

"ممکن ہے کہ اس بارے میں حضرت عائشہؓ سے کوئی حدیث ثابت ہو لیکن ہمیں نہ مل سکی ہو۔"

استدلال کا یہ کون سا انداز ہے؟ اس طرح تو ہر من گھڑت مسئلے کو یہ کہہ کر ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے اس بارے میں حدیث تو ہو لیکن ہمیں نہ مل سکی ہو۔

"تعاملِ اُمت" سے استدلال؟

پھر لکھتے ہیں:۔

"اس کے علاوہ تعاملِ امت سے بھی عورتوں کی نماز کی مذکورہ بالا کیفیات ثابت ہیں اور تعاملِ اُمت بھی دلیلِ شرعی ہے۔"

لیکن مفتی صاحب سے ہم یہ پوچھنا چاہیں گے کہ "تعاملِ اُمت" سے ان کی مراد کیا ہے؟ موجودہ لوگوں (امت) کا تعامل یا عہدِ صحابہ کا تعامل۔ عہدِ صحابہ کے بارے میں تو دلیلِ شرعی کی بات ہو سکتی ہے اور اسے ہی تعاملِ امت کہا جاتا ہے۔ لیکن بعد کے ادوار کا تعامل بھی کیا اُس "تعاملِ امت" کے ضمن میں آتا ہے جس کو دلیلِ شرعی قرار دیا جا سکے؟

اگر مفتی صاحب موصوف کے نزدیک "تعاملِ اُمت" سے مراد تعاملِ صحابہؓ ہے (جیسا کہ یہی اس کا صحیح مفہوم ہے) تو کیا موصوف اس امر کا کوئی ثبوت پیش فرما سکیں گے کہ عہدِ صحابہؓ میں مسلمان خواتین اسی طرح مردوں سے مختلف طریقے سے نماز پڑھتی تھیں جس طرح آج کل کی شفی اور اور شریعت سے ناواقف عورتیں پڑھتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر مسئلہ ضرور قابلِ غور بن جاتا ہے۔

اور اگر "تعاملِ امت" سے مراد عہدِ صحابہ و تابعین کے بعد کے لوگوں کا تعامل ہے تو محترم مفتی صاحب اسے بطور "دلیلِ شرعی" پیش کرنے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ پھر مسئلہ زیرِ بحث ہی

ثابت نہیں ہوگا۔ بے شمار بدعتیں بھی ثابت ہو جائیں گی۔ جن پر آج کل "تعامل امت" ہے۔ کیا مفتی صاحب اس کے لئے تیار ہیں؟ کیا ان تمام بدعتوں کو اس "دلیل شرعی" کی رو سے سند جواز عطا کیا جا سکتا ہے۔

ما رآہ المسلمون حسناً ...... سے استدلال؟

اسی تعامل امت کے سلسلے میں مفتی صاحب موصوف نے اس مشہور روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔ یعنی ما رآہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن (جس عمل کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے۔) حالانکہ اوّل تو یہ حدیث مرفوع ثابت ہی نہیں ہے یہ ایک موقوف قول ہے۔ ثانیاً یہ کس درجہ میں قابل حجت بھی ہو تب بھی اس سے مراد عہد صحابہ ہی ہوگا۔ اور قرنِ اول کے مسلمانوں کا تعامل ہی حَسَن اور قابل عمل کہلائے گا۔ نہ کہ بعد کے مسلمانوں کا عمل جو عموماً اعتقاد و عمل کی متعدد گمراہیوں میں مبتلا چلے آ رہے ہیں۔

یہی بات مولانا عبدالحی لکھنوی حنفیؒ نے بھی التعلیق الممجد میں بڑی تفصیل سے لکھی ہے جو قابلِ مطالعہ ہے ہم بغرضِ اختصار یہاں صرف اس کے حوالے پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔ (التعلیق الممجد ص ۱۴۴)

اسی طرح موصوف نے لا تجتمع امتی علی ضلالۃ بھی پیش فرمائی ہے اس کی اسنادی حیثیت سے قطع نظر بفرض صحت و حجت اس امت سے بھی مراد قرنِ اولیٰ کی امت یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی ہیں نہ کہ آج کل کی امت جس کا سارا دین۔ بجز ایک گروہِ حق کے خود ساختہ ہے اور جس کے اندر شرک و بدعت کی گرم بازاری ہے اگر مفتی صاحب آج کل کی امت کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی تو وہ کیوں اپنے ہی حنفی بھائیوں (بریلویوں) سے برسر پیکار ہیں؟ اکثریت ان کی ہے کیا اس "دلیل" کی رو سے بریلوی عقائد و اعمال کو سندِ جواز عطا نہیں کیا جا سکتا؟

بہر حال مفتی صاحب جو مختلف قسم کے سہارے اپنے موقف میں پیش فرما رہے ہیں اس سے از خود یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ موصوف کے پاس اپنے موقف (کہ عورت کا طریقہ نماز مردوں سے مختلف ہے۔) کے ثبوت کے لئے کوئی واضح دلیل اور مرفوع حدیث نہیں ہے۔ اگر یہ ہوتی تو مفتی صاحب یہ سہارے نہ ڈھونڈتے، حدیث صحیح پیش فرمانے پر ہی اکتفا کر لیتے لیکن مذکورہ بحث سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ موصوف کے پاس فقہ حنفی کے زیرِ بحث مسئلے کے ثبوت میں ایک بھی مرفوع متصل روایت نہیں ہے۔